مذاکرۂ علمیہ

واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر نقد و تبصرہ

ماہِ اگست کے "برہان" میں "حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح" کے عنوان سے ایک مضمون قارئینِ "برہان" کے ملاحظہ سے گذرا ہے۔ یہ اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے واقعات سے متعلق "برہان" میں جو سلسلہ جاری ہے اُس سے مقصود یہ ہے کہ حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی حیات طیبہ سے متعلق جو خرافات "اہل کتاب خصوصاً یہود کے یہاں پائی جاتی ہیں اور بدقسمتی سے ہماری بعض کتب تفاسیر میں بھی اُن کو درج کر دیا گیا ہے، اُن سے مسلمانوں کے قلوب میں انبیاء و رسل کی پاک اور مقدس سیرت کے بارہ میں جو شکوک و شبہات کے مہلک جراثیم پیدا ہو رہے ہیں، اور اسلام کے ایک زبردست اور بنیادی عقیدہ "عصمتِ انبیاء" پر اُن کے ذریعہ ناقابل برداشت زد پڑ رہی ہے، اُن کا استیصال کر دیا جائے، اور یہ بتایا جائے کہ قرآنِ عزیز نے حضرات انبیاء (علیہم السلام) کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اگر اُس کی تفسیر و تشریح کے لیے خارج سے کسی روایت یا واقعہ سے مدد نہ لی جائے تب بھی اُس کی کسی ایک آیت سے بھی ایسا مضمون ثابت نہیں ہوتا جو "عصمتِ انبیاء" یا اُن کی "جلالتِ شان" اور مرتبۂ نبوت و رسالت کے خلاف ہو بلکہ اس کے برعکس ان آیات سے اُن کے منصبِ عالی کی اور زیادہ تائید و تقویت ہوتی ہے، اور خدائے برتر کی جناب میں اُن کے انتہائی تقرب کی دلیل ملتی ہے، اس سلسلہ کی پہلی کڑی "حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح" ہے جس میں شرح و بسط سے بحث کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سورۂ

علاوہ ازیں برہان کے مضمون میں اس روایت کو بیان کردہ توجیہ کا مدار قرار نہیں دیا گیا بلکہ تصریح کردی گئی ہے کہ اس واقعہ کے سیاق وسباق کے پیش نظر صرف قرآن عزیز ہی اس تاویل کے لیے ناطق ہے البتہ اس روایت کو تقویت اور تائید کے لیے پیش کردیا گیا ہے لہٰذا اس روایت کو بالفرض شاذ تسلیم کرنے کے باوجود اس تاویل کو کمزور بتانا صحیح نہیں ہے۔

دوسرے جملے میں مسروق اور سعید بن جبیر سے منقول، حضرت ابن عباس کی روایت کو قوی کہنا محل نظر ہے، شاید مقالہ نگار کی نگاہ مشہور محدث ومفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس فیصلہ پر نہیں گئی جس کا حوالہ اصل مضمون میں بھی دیا جاچکا ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اوریا کے قصہ کے متعلق ذخیرۂ روایات میں ایک روایت بھی صحیح نہیں اور جو کچھ روایت کیا گیا ہے وہ سب اسرئیلیات سے ماخوذ، اور سرتاپا خرافات ہے

یہ تو ظاہر ہے کہ ابن کثیر حضرت ابن عباسؓ کی مسروق والی روایت سے ناآشنا نہیں ہیں اگر پھر بھی وہ کسی روایت کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور پُرزور الفاظ میں یہ تلقین کرتے ہیں کہ کسی تفصیل میں جائے بغیر فقط قرآنِ عزیز کے بتائے ہوئے اجمال پر ہی اعتقاد رکھنا چاہیے اور بس اور اس سے زیادہ صاف اور صریح قاضی عیاضؒ جیسے محدث اور مادح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے وہ فرماتے ہیں:- وقال الداؤدی لیس فی قصۃ داؤد صلی اللہ علیہ وسلم واوریاء خبر ثبت۔ (نسیم الریاض جلد ۴) یعنی داؤدی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریاء کے واقعہ کے متعلق ایک روایت بھی ثابت نہیں ہے۔ اور محدث "خفاجی" صاحب نسیم الریاض اس کی شرح کرتے ہوئے اس کو اس طرح مضبوط اور قوی بناتے ہیں۔

وما قیل ان کلام الداؤدی طعن فی الروایات من غیر دلیل لیس بشیٔ	اور یہ جو بعض کا خیال ہے کہ داؤدی کا روایات کے بارہ میں یہ طعن رکہ اوریا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تمام

فان ما روہ فیہ ما لا یلیق بمقام الانبیاء والاقدام علیہ من غیر روایۃ صحیحۃ لا یلیق۔

روایات غلط ہیں) بلا دلیل ہے سو یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ روایات میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ مقام انبیاء کے قطعاً لائق نہیں اور ایسی بات پر صحیح روایت کے بغیر قدم اٹھانا بالکل نامناسب ہے۔

اگرچہ قاضی عیاضؒ نے اس واقعہ کی بحث کے درمیان میں حضرت ابن عباس کی اس روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر اس واقعہ کی کوئی اصل تسلیم بھی کی جائے تو بہتر ہے کہ اس روایت کو لے لیا جائے مگر آگے چل کر مذکورہ بالا داؤدی کے قول کو پیش کر کے فیصلہ یہی دیا ہے کہ اوریا کے متعلق ایک روایت بھی (خواہ وہ قول رسول ہو یا قول صحابی) صحیح نہیں ہے۔

ان ہر دو نقول کے بعد اوریا کے متعلق کسی حصہ کو بھی تسلیم کرنا، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کو قوی بتانا کس طرح جائز اور درست ہو سکتا ہے؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ متقدمین ومتاخرین عظیم المرتبہ مفسرین میں سے کسی ایک نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس کی اس روایت کو نقل نہیں فرمایا جو تفسیر ابن عباس میں حضرت ابنِ عباس کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ ابن کثیر، روح المعانی، بحر المحیط، خازن، تفسیر کبیر، فتح القدیر، وغیرہ کسی میں بھی اس روایت کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس صاحب روح المعانی، اور بعض دوسرے مفسرین نے ہماری بیان کردہ روایت ابن عباس کو نقل کیا ہے۔

اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہ دعویٰ ہے کہ آیۃ قد ظلمک بسوال نعجتک" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عباس کی مسروق والی روایت قوی ہے" اس لیے کہ اس آیت کے کسی ایک جملہ سے یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ اس میں اوریا کی بیوی کے واقعہ کا کوئی بھی ذکر ہے۔ پھر طلاق حاصل کرنے والی روایت کی اس سے کس طرح تائید ہو سکتی ہے۔ پھر نہ معلوم کہ اس واقعہ کی بیہودہ شہرت سے مقالہ نگار اس قدر کیوں متاثر ہیں کہ اُس کے کسی ایک حصہ کو تسلیم کر کے خود قرآنی شہادت اس کی

تقویت کے لیے پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔

اس کے بعد مقالہ نگار ارشاد فرماتے ہیں:-

"ثانیاً اگر کسی شخص کے پیش نظر حضرت ابن عباس کی یہ روایت نہ ہو تو وہ صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید کی ان آیات کا یہ مطلب نہیں سمجھ سکتا بلکہ ظاہر الفاظ سے وہ اس کے خلاف مطلب نکالنے لگا یہ بات کتاب الٰہی تو درکنار معمولی انسان مصنفوں کے لیے بھی معیوب ہے (الی) لیکن وہ قہاد مفہوم سے ہٹا کر بات کو کسی اور طرف پھیرے جائے تو ایسی روایت کو شارح کے بجائے تتمہ کہنا پڑیگا اور اس سے لازم آئیگا کہ اس تتمہ کے بغیر قرآن ناقص ہے"۔

ہمیں حیرت ہے کہ علم معانی و بلاغت اور علم اصول کے ان قاعدوں کا اس جگہ بموقعہ کیوں ذکر کیا گیا جبکہ "برہان" کا پورا مضمون پڑھنے کے بعد ہر شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی روایت بھی سامنے نہ ہو تو قرآنِ عزیز کا سیاق و سباق خود یہ بتا رہا ہے کہ اس واقعہ کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآنِ عزیز نے اوّل حضرت داؤد کے نبی اور مقرب الی اللہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے طریق پر چلنے کی دعوت دی ہے۔

(۲) مگر ساتھ ہی اُن کی اس لغزش کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ جس روز محراب بند کر کے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتے تو اُس دن مخلوقِ خدا کی ہدایت اور فصلِ قضایا کی خدمت (جو کہ منصبِ نبوت سے متعلق ہے) سے الگ ہو کر حقِ ولایت کو ادا کرتے تھے لیکن خدا کی مرضی معلوم کیے بغیر کسی طرح اُن کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اُن کی مرضی کے خلاف اُن کی عبادت میں خلل اندازی کرائی، اور خلق اللہ کی خدمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے دو انسانوں کے مقدمہ کی روئداد بھی سنوادی۔

(۳) حضرت داؤد نے مقدمہ کا اول فیصلہ سُنایا اور نورِ نبوت سے فیضیاب عقل کے ذریعہ فوراً مطلب کو پہنچ گئے اور خدائے تعالیٰ کی اس آزمائش کو پہچان کر توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہو گئے

(۴) حق تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی اور ساتھ ہی صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ تم دنیا میں خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجے گئے ہو اس لیے اس کا صحیح حق ادا کرو۔

(۵) اور مناسب مقام سمجھ کر خلافت سے متعلق بنیادی نصیحت بھی فرمادی کہ اتباعِ ہوئی کبھی نہ ہو اور انصاف کبھی ہاتھ سے نہ جائے۔

بتائیے کہ اس صاف اور سادہ مطلب میں حضرت ابن عباس کی روایت کے مفہوم کے خلاف کون سا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اور کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ روایت آیت کی شرح نہیں کرتی بلکہ اُس کی تتمہ ہے۔ ہاں اگر اوریا کے قصہ کے اس حصہ کو مان لیا جائے جو فاضل مقالہ نگار نے تسلیم کیا ہے تو البتہ قرآنِ عزیز کا سیاق و سباق اس کے مفہوم کے قطعاً خلاف ہوگا اور یہ کہنا پڑیگا کہ اگر باہر سے اس واقعہ کا علم نہ حاصل ہو تو آیت کے معنی اس واقعہ کے قطعاً خلاف سمجھے جائینگے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کسی کو اس واقعہ کا علم نہ ہو تو ہرگز ہرگز وہ قرآنِ عزیز کی ان آیات کو ان معنی میں لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اور بعد کی آیت یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض کا تو کسی طرح بھی اس غلط واقعہ سے جوڑ نہیں لگ سکتا ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

ثالثاً خود حضرت ابن عباس نے بھی اس روایت کو وجہ عتاب کی تفسیر میں بیان نہیں کیا ہے بلکہ صرف اس امر کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ خصمین کو دیوار پھاند کر محراب میں جانے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی" الخ

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ روایت وجہ عتاب کی تفسیر میں نہیں بیان فرمائی۔

لیکن اس سے نفس مضمون کا انکار کیسے لازم آتا ہے، اس لیے کہ اگر ایک روایت کسی خاص غرض سے بیان کی جائے لیکن ضمناً اس سے کسی دوسرے واقعہ کی تائید تقویت بھی نکلتی ہو تو محض اس لیے کہ راوی نے اُس کو اس تائید کے لیے بیان نہیں کیا تائید کے ثبوت کا انکار کس طرح لازم آجائیگا۔ رہا حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا معاملہ ہو ہم محدثین ومفسرین کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیتِ عتاب کی تفسیر میں اوریا کی بیوی سے متعلق ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس واقعہ سے الگ ایک روایت مسند احمد میں ابنِ عباس سے مروی ہے اور حاکم نے مستدرک میں اُس کو صحیح بتایا ہے اور برہان میں اُس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ سو اگر یہ بات مضر ہے تو مقالہ نگار کے حق میں تو مضر ہے جن کے جواب کا مدار ہی حضرت ابن عباس کی ضعیف اور غیر مستند مسروق والی روایت پر ہے اور ہمارے لیے تو یہ بات کسی طرح مضر نہیں جبکہ ہم قرآن عزیز کے اس موقعہ کی تفسیر خود قرآن عزیز کے سیاق وسباق اور نفس مفہوم سے کر رہے ہیں۔ البتہ تائید وتقویت کے لیے ابن عباس کی اس روایت کے ان جملوں کو بھی پیش کر دیتے ہیں جو ضمنی طور پر ہمارے مدعا کے حق میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اور اس طرح کا استدلال تمام علماء عقل ونقل میں شائع ذائع ہے۔

اس کے بعد ارقام ہے:۔

"رابعاً اگر بات یہی تھی جو یہ مفسرین بیان کرتے ہیں تو خصمین کے پورے مقدمے کو نقل کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ بات قرآن کے اسلوب کے خلاف ہے کہ وہ کسی واقعہ کی ایسی تفصیلات نقل کرے جس سے اصل مقصود پر کوئی روشنی نہ پڑتی ہو۔

بات تو وہی ہے جو "برہان" میں بیان کی گئی، رہا خصمین کے مقدمہ کی پوری روئداد نقل کرنے کا معاملہ تو قرآنِ عزیز نے اس لیے اس کو مفصل بیان کیا تاکہ اصل تنبیہ کے ساتھ ساتھ حضرت داؤدؑ پر یہ بھی واضح ہو جائے کہ خلافتِ الٰہیہ کے منصب میں تھوڑی سی تقصیر کی بنا پر ظلم وعدوان اس

حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ضعیف کی زندگی قوی کے سامنے ہیچ ہو کر رہ جاتی ہے پس اگر تم اسی طرح کوتاہی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس کے نتائج کس قدر مہلک ہونگے پس تم کو چاہیے کہ منصب نبوت اور خلافت الٰہیہ کی انجام دہی کے لیے کسی وقت بھی لوگوں پر اپنے دروازے بند نہ کرو، سو اگر معاملہ کو صرف اجمالی طور پر ہی ذکر کر دیا جاتا تو جس امر پر حضرت داؤدؑ کو متنبہ کیا جا رہا تھا سامعین کے سامنے اُس کی اہمیت اتنی قوت کے ساتھ نہ آسکتی جس قوت کے ساتھ مقدمہ کی تفصیلی روئداد کے بعد آجاتی ہے۔ اب انصاف سے غور کیا جائے کہ کس طرح اس تفصیل سے مقصود پر روشنی پڑ رہی ہے ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

اس کے بعد ارشاد ہے:۔

"خامساً عبادت میں افراط اور کثرت ایسی چیز نہیں ہے جس کو "ہوئی" سے تعبیر کیا جائے، قرآن نے کہیں بھی اس فعل کو ہوائے نفس کی طرف منسوب نہیں کیا ہے اور نہ کوئی ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ کثرت عبادت پر کسی کو عتاب فرمایا گیا ہو۔ الخ

"مقالہ نگار" کے پہلے جملے معلوم نہیں کہ کس کو خطاب کر رہے ہیں اس لیے کہ جس کی تاویل کی کمزوری کے اظہار کے لیے یہ پانچویں دلیل بیان کی گئی ہے اُس کے تو کسی ایک جملے سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لا تتبع الھوٰی میں "ہویٰ" (خواہشِ نفس) کا مصداق "عبادتِ الٰہی" ہے۔ اگر برہان کے مضمون کو ذرا تامل و غور سے پڑھ لیا جاتا تو شاید کمزوریوں کے اضافہ میں اس پانچویں دلیل کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اس لیے کہ اُس میں تو اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ لا تتبع الھوٰی کو واقعہ کے ابتدائی جملوں سے مربوط کرنے اور آیۃ یٰداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض کو پیش نظر رکھنے سے ہی یہ فاسد خیال جا لیا گیا کہ العیاذ باللہ حضرت داؤد کی ہویٰ اور خواہشِ نفس یہی تھی کہ وہ اوریا کی بیوی کو اپنانا چاہتے تھے اور حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے اُن پر عتاب فرمایا، حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ اصل میں اس جملہ کا تعلق خلیفۃ فی الارض سے ہے اور بتانا یہ

مقصود ہے کہ جب تم خلیفۃ اللہ فی الارض ہو تو سمجھ لو کہ نیابتِ الٰہی کا سب سے بلند مقام یہ ہے کہ اُس میں خدا کی وحی کے سوا خواہش نفس کا قطعاً کوئی دخل نہ ہوتا کہ خلیفہ خلیفۃ اللہ کہلا سکے، اور گمراہوں کی صف میں شامل نہ ہو جائے۔ گویا ہوئی کا ذکر کسی گزشتہ لغزش پر تنبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ خلافت الٰہیہ کی اساسی تعلیم کے اظہار کے لیے۔ اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ دنیوی حکومت اور خلافت الٰہیہ کا سب سے بڑا تفاوت اس ایک نقطہ میں ہے کہ پہلی چیز کا مقصد "ہوائے نفس" اور نتیجہ "ضلالت" ہے۔ اور دوسری چیز کا مقصد "اتباع امر الٰہی" اور نتیجہ "فوز و فلاح" ہے۔ جیسا کہ وضاحت کے ساتھ "برہان" میں لکھا جا چکا ہے۔

رہا یہ امر کہ عبادتِ الٰہی پر قرآن عزیز میں عتاب ثابت نہیں۔ سو اعتراض کا یہ انداز ایسا ہے جیسا کہ سورۂ "عَبَسَ وَتَوَلّٰی" کی تفسیر میں کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ تبلیغ کی مشغولیت کے وقت کسی اتفاقی دخل در معقولات پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناگواری ظاہر فرمانا ایسا امر نہیں تھا کہ موجب عتاب ہوتا، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امراءِ قریش سے قبول اسلام کی توقع پر اس شرط سے کہ فقراءِ اسلام مجلس میں موجود نہ ہوں بات چیت کرنے اور اتفاقاً نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم کے حاضر ہو کر نادانستگی سے سوال کر لینے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے پر حق تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا۔ کیونکہ آپ کی یہ ناگواری تبلیغ اسلام کے شوق میں تھی۔ اور قرآن میں کہیں ثابت نہیں کہ تبلیغ اسلام پر عتاب کیا جائے۔ بہرحال "برہان" میں اس موقعہ پر جس طرح مسئلہ کی حقیقت کو روشن اور آشکارا کیا گیا ہے اگر اس کو ایک مرتبہ بنظرِ غائر دیکھ لیا جاتا تو یہ باآسانی معلوم ہو سکتا کہ مقصود عبادتِ الٰہی پر عتاب کرنا نہیں ہے، بلکہ کسی دن پورے اوقات میں خلافت الٰہی سے بے پرواہ ہو کر لوگوں پر دادرسی و فریادرسی کے دروازے بند کر دینے پر عتاب ہے۔ جیسا کہ سورۂ "عبس" میں تبلیغ اسلام پر عتاب نہیں ہے بلکہ اس مخصوص طریقہ کے اختیار پر عتاب ہے کہ امراءِ قریش کی توقعِ اسلام کی وجہ سے فقراءِ اسلام کی اس طرح دل شکنی کیوں کی گئی۔ مگر چونکہ یہ بندش عبادت کے سلسلہ میں پیش آئی اس لیے

ضمنی طور پر اس کا بھی تذکرہ آگیا ورنہ مقصود بالذات یہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے۔

نیز حدیث "لا رہبانیۃ فی الاسلام" اور "نہی عن التقشف فی العبادۃ" کی تمام احادیث صحیحہ کیا اس بات کو ثابت نہیں کرتیں کہ عبادتِ الٰہی اگرچہ اسلام کے اہم اور بنیادی امور میں سے ہر گرجب واجب اور ضروری حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بھی "نفل" عبادت مخل انداز ہونے لگے تو اسلام اُس پر سختی سے متنبہ کرتا، اور اُس کو روکنے کے لیے زبان وحی ترجمان سے وہ کہلواتا ہے جو رہبانیت (جوگیانہ زندگی) کی ممانعت میں مذکور ہے۔

اس کے بعد ارقام ہے:۔

"ان وجوہ" سے ہمارے نزدیک یہ تاویل بھی قابل قبول نہیں"۔

لیکن یہ "وجوہ" تو خود نا قابل قبول ہیں جیسا کہ ابھی شرح وبسط سے بیان کیا گیا۔ اس لیے اگر اس تاویل کی عدم مقبولیت کی واقعی کوئی وجہ ہو تو ہمیں تسلیم کرنے میں ادنیٰ تامل نہیں ورنہ ایک ضعیف، بلکہ باطل اور غیر ثابت روایت پر اپنی تاویل کی بنیاد قائم کرنا، اور ایک مدلل و مبرہن تاویل کو کمزور دلائل سے کمزور بنانا انصاف اور علمی اصول کے قطعاً خلاف ہے۔

(باقی)

خواطر و سوانح

افاداتِ علامہ ابنِ جوزی

از مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

دنیا کی راحتوں سے اہل علم و فضل کی محرومی

اہل علم وفضل اور اصحاب کمال کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر وہ ہیں جو دنیوی عیش و نشاط سے محروم ہو چکے ہیں اور جن کے لیے دنیا کی لذتوں اور معیشت کی فراخیوں میں بہت کم حصہ رہ گیا ہے عام طور پر تمام فارغ البالیاں اُن کے لیے ہیں جو علم سے عاری ہنر سے بے بہرہ ہیں اور فضل و کمال سے دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتے۔

صورتِ حال کی اس تلخی سے اہل کمال آزردہ خاطر اور ملول ہوتے ہیں، سوچتے ہیں آخر یہ کیا ہے بے ہنروں کے قدموں پر دولت کے انبار لگ رہے ہیں، ہم ہیں کہ زندگی کی راحتوں کو ہم سے بیر ہے، اور دولت کی یہ کیفیت ہے کہ ہمارے سایے سے بھاگتی ہے۔

میں نے ایک دوست سے جو اسی رنگ کی حماقت کا شکار تھا ایک دفعہ کہا افسوس تم پر آخر اس غم میں کیوں گھُلے جاتے ہو؟ اپنے معاملہ میں ذرا غور کرو اور عقل و تدبر سے کام لو تو تمہیں اپنی غلط اندیشی کا احساس ہو جائیگا اور اُن خیالات کی بے حقیقتی کا اندازہ کر سکو گے جو تم نے اپنے دل میں پکا رکھے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دیکھو اگر دنیا کی طلب تمہیں بے چین کر رہی ہے اور تم اُس کے لیے ایسے ہی مضطرب ہو تو حسرت و حرمان کے آنسو بہانے کی جگہ ضرورت اس کی ہے کہ دنیا حاصل کرنے کی

کوشش کرو، اپنی آرزوؤں کی پامالی پر افسوس کرکے بیٹھ رہنا اور جدوجہد سے جی چرانا مردوں کا شیوہ نہیں یہ تو عجز و درماندگی کی انتہا ہے، اور ہاں کیا تمہارے علم نے تمہاری اتنی بھی رہنمائی نہیں کی کہ تم یہ سمجھ سکو، خورد و نوش میں (جو دنیا کی لذتوں کا سرچشمہ ہے) انسانوں کا حصہ حیوانوں کی نسبت سے کتنا حقیر ہے۔ سوچو ایک جانور انتہائی بے فکری سے مزے لے لے کر جس قدر رکھاتا ہے کیا اُس کا دسواں حصہ بھی تمہارے پیٹ میں جاتا ہے۔ پھر مقدار کی کمی کے ساتھ فکر و بے اطمینانی اور خوف کی مصیبت جُدا رہی۔ اچھا اب اگر انسانوں کے لیے بھی وہی کچھ ہو جو بہائم کے لیے ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ انسانوں کا شمار بھی اسی جنس میں ہونے لگے۔

انسان جب حیوانی خصلتوں کا خوگر ہو گیا تو اس کے معنی کسبِ فضائل سے محروم ہونے کے علاوہ اور کیا ہوئے؟ جسمانی لذتوں کو نصب العین بنانے والا ملکات و کمالات کے اُس مقام پر کبھی نہیں پہنچ سکتا جو قدرت نے انسان کے لیے مخصوص کیا ہے، اور کیا تمہارے دماغ میں اتنی روشنی بھی باقی نہیں رہی کہ یہ سمجھ سکو دنیا عبور کی جگہ ہے قیام کی نہیں، سب جانتے ہیں دنیا کی کسی نعمت کو قرار نہیں جس دولت کی جستجو میں تم اس درجہ حواس باختہ ہو رہے ہو اُس کی بیوفائی پر ایک بے پڑھا لکھا انسان بھی یقین رکھتا ہے تمہیں تو خدا نے علم و فہم کی دولت سے نوازا ہے سوچو اور پھر سوچو۔

شیطان کا ایک بہت بڑا فریب

شیطان کے بے شمار حیلوں اور مکروں میں ایک بہت بڑا اور عجیب قسم کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے وہ دولت والوں کو طرح طرح کی آرزوؤں اور تمناؤں کے جال میں پھنساتا ہے اور تلذذ و تنعم کے سبز باغ دکھا کر اُن کی عقلیں اس طرح گم کر دیتا ہے کہ آخرت اور اعمالِ آخرت سے انہیں کوئی سروکار نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ جب اُسے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ سادہ لوح پوری طرح اُس کی گرفت